© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

ہم نے آزادی جیسے عطیۂ خداوندی پر حقِ شکر ادا نہ کر کے جن قیمتی چیزوں کو کھویا ہے ان میں سے ایک بحث و مکالمہ اور تبادلۂ خیال و استدلال کی کشادہ فضا سے محرومی ہے۔ اِس حادثے کی وجہ کچھ اخلاص کا افلاس ہے اور کچھ علمی ذوق کا فقدان! عصبیتوں اور تحزبات کے غلبے اور انہی کے معیارِ حق قرار پا جانے کی وجہ سے ضمیر متحجر ہو چکے ہیں — "یہ میرا باڑہ" اور وہ "تمہارا باڑہ" — یہ اُس میں نہیں جا سکتا، وہ اِس میں نہیں آ سکتا۔ دونوں اپنے اپنے فکر و مسلک (سیاسی ہو یا مذہبی یا اور کسی طرح کا) کی وکالت بہ آوازِ بلند کرتے ہیں اور دونوں دوسرے ہی کو بہ سرِ غلط قرار دیتے ہیں۔ ہر شخص اپنے آپ کو بر سرِ حق اور اپنی رائے کو صائب سمجھتا ہے اور دوسرے کو پیروِ باطل اور اس کے نقطۂ نظر کو ٹیڑھا قرار دیتا ہے۔ پھر ہر کوئی اپنا ارشاد دوسروں پر زبردستی ٹھونسنا چاہتا ہے، اپنے خیالات کا گٹھڑ دوسروں پر لادنا چاہتا ہے۔ بات نہیں بنتی تو طعن و طنز اور تضحیک و تمسخر سے کام لیتا ہے۔ بات آگے چلے تو قسم قسم کے الزام و دشنام کے ہتھیار میانوں سے نکل آتے ہیں، پھر جن لوگوں کے پاس پروپیگنڈے کی مشینری یا طباعت و نشر کا کوئی انتظام ہے تو وہ ہر اختلاف کو اس کے خراد پر چڑھا دیتے ہیں۔ ہماری سیاسی و صحافی دُنیا میں تو بگاڑ عام تھا ہی، اب علمی و ادبی دائرے بھی محفوظ نہیں ہیں۔ آدمی کے لیے بات کرنا مشکل ہو گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی قوم کے عالمِ افکار کی ترقی کا انحصار اس پر ہوتا ہے کہ اس کے لوگ اپنی بات پیش کریں تو محض دلائل کے زور سے پیش کریں۔ اور اعتراض کرنے والے یا اختلاف کرنے والے حضرات بھی دیانت داری کے ساتھ اپنے دلائل سامنے لائیں۔ اپنی بات پیش کرنے والا خود بھی خواہش مند ہو کہ اس کی رائے کی کمزوریاں اس پر واضح ہو جائیں۔ اور فکر کے زیادہ بہتر پہلو اس کے سامنے روشن ہوں۔ اس طرح کسی کی بات کو سننے والے بھی یہ جسارت رکھتے ہوں کہ حق کی کوئی کرن کسی طرف سے آتی ہو تو وہ اُسے بہ صد شوق قبول کریں اور بات کہنے والے کے طرزِ فکر میں کوئی پیچ و خم محسوس ہو تو پوری خیر خواہی سے یہ چاہیں کہ متکلم کے سوچنے اور بات کرنے کی سطح اور بلند ہو جائے یعنی دونوں طرف خیر خواہی کام کر رہی ہو۔

اس دَور میں جتنی بڑی تباہی دلیل کی واقع ہوئی ہے، اتنی زندگی کے کسی اور پہلو میں نہیں ہوئی۔ دلیل بے وقعت بن کے رہ گئی ہے۔ اس کے مقابلے میں کہیں روپیہ کھڑا ہے، کہیں جاگیر اور جاہ کی قوت، کہیں پروپیگنڈے کا زور، کہیں جتھا بندی کا محاذ، کہیں ذوقِ تشدّد۔ اور باقی ساری قوتوں کا عمل بھی جب دلیل کی تباہی کے لیے ہوتا ہے تو وہ سب تشدّد کو اُبھارتی ہیں۔ اور تشدّد کی باگ ڈور عقل کے ہاتھ میں نہیں، جذبات کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اس کے حرکت میں لانے کے لیے دلیل درکار نہیں ہوتی نعرہ بازی اور سلوگن درکار ہوتے ہیں۔

سو، غور سے پوری زندگی میں دیکھیے، طرح طرح کے سلوگن ہیں، جذباتیت کے اُبال ہیں، تشدّد کی آگ ہے —— اور پھر جو چیز زد میں آتی ہے بھسم ہوتی جاتی ہے۔ چاہے وہ ایمان ہو، اخلاق، امن ہو، علم ہو، اتحاد ہو، آزادی کا تحفظ ہو، ملک کی سلامتی ہو، یا دوسرے نقطۂ نظر سے بوڑھے ماؤں اور باپوں پر اولاد کا غم مسلط کر دیا جائے، یا ننھے بچوں کو ان کے والدین، بھائی بہنوں سے محروم کر دیا جائے، یا بیویوں سے ان کے شوہر چھین کر ان کو بیوگی کے گڑھے میں دھکیل دیا جائے، یا کسی کنبے کے سر چھپانے کے خوبصورت مکان یا کچے گھروندے یا گھاس پھونس کے جھونپڑے کو تباہ کر دیا جائے، لوگوں کو ان کے کاروبار اور ذرائع رزق سے محروم کر دیا جائے —— اور پھر اس کا نام رکھا جائے سیاست! یا اسے کہا جائے حقوق کی جنگ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ ذرا اپنی زبان ہی کا مطالعہ کیجیے اس میں کچھ نئے الفاظ داخل ہوتے ہیں۔ مثلاً "عظیم" لینن (یا کچھ اور)، "بے پناہ" مجمع، "تباہ کُن" باؤلنگ، ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ مختلف معاملات میں ہماری جذباتیت اتنی شدید ہے کہ اس کے اظہار کے لیے پہلے سے رائج الفاظ بے وقعت ہوگئے اور اب روحِ شدّت سے بھرے ہوئے نئے الفاظ آگئے۔

اسی طرح واقعات وحقائق کے لحاظ سے ہائی جیکر یا چھاپہ مار، کمانڈو تر، کلاشنکوف کلچر، فضا سے جہاز کا اغوا، انسانی اغوا برائے تاوان کی طلبی، وغیرہ تذکرے آپ روزانہ اخبارات اور رسائل میں پڑھتے ہیں، یہ سارا کھیل نتیجہ ہے دلیل کی شکست کا۔

معاشرے میں ہونے والے اکثر جرائم، سیاسی ہنگامے، پولیس اور مظاہرین کے تصادم، خیانت کا سارا مقبولِ عام کاروبار سب دلیل سے خواہشوں کی بالاتری کا نتیجہ ہے۔

کتنی ہی بحثوں میں حصہ لینا اسی تصور سے مشکل ہوگیا ہے کہ آج تک کبھی کسی ایڈیٹر یا کالم نویس یا دانش ور نے نہ تو ایسی صورت پیدا کی کہ کوئی بھی بحث ہو، فریقین کو برابر کی سہولتیں اور مواقع حاصل ہونے چاہئیں۔ اور نہ کبھی ایسا ہوا کہ کسی اخبار کے ایڈیٹر یا کالم نویس یا اس کے معاون دانشور اہلِ قلم میں سے کسی نے کبھی بحث واستدلال کے دوران یہ تسلیم کیا ہو کہ ہاں صاحب فلاں پہلو سے آپ کی بات کو صحیح تر سمجھتے ہوئے دلی شکریہ کے ساتھ قبول کرتا ہوں یا میں نے فلاں اعتراض جو اٹھایا تھا یا الزام لگایا تھا، اسے واپس لیتا ہوں اور معافی چاہتا ہوں — نہ ایسا کوئی مظاہرہ اصحابِ محراب ومنبر کی طرف سے سامنے آتا ہے۔

لبرل ازم کے معنی ہمارے ہاں یہ ہیں کہ جو جی میں آئے کہے جاؤ، تمہیں لفظوں اور معانی کی جادوگری کا فن آنا چاہیے۔ حالانکہ تصورِ خدا اور تصورِ دین سے آزاد مغربی لبرلزم کو تو اپنی جگہ چھوڑیے، خود اسلام کے دائرے کے اندر یا یوں کہیے کہ حدودِ الٰہی کی پابندی میں اتنا لبرلزم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ اس کی کہیں اور مثال نہیں ملتی۔ یہاں تو ہر بات پر مطالبہ ہے "هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ" اور یہاں اصول یہ ہے کہ کسی کی زندگی اور کسی کی ہلاکت "بیّنہ" پر مبنی ہونی چاہیے۔

لیکن افسوسناک بات یہ ہے کہ خود داعیانِ اسلام اور واعظانِ اسلام میں برہان اور بیّنہ کی پوری اہمیت کا احساس موجود نہیں ہے۔ ان حضرات کے گروہ اور جتھے بھی اور ان کے اکابر اور بزرگ اور پیر بھی اپنی جلالتِ شان سے دلیل کا زور توڑ دیتے ہیں۔

تو دین والو اور دنیا والو! علم و ادب والو اور اخباروں والو! حکومت والو اور اور سیاسی جماعتوں والو! خدا کے لیے مکالمہ و تبادلۂ خیال میں دلیل کے اصول کو ازسرِنو قائم کرو۔

ورنہ جہاں دلیل کو تباہ کر دیا جائے وہاں کچھ بھی نہیں بچتا۔

معذرت

اِس مہینے کچھ ایسی معذوریاں درپیش رہیں کہ بہ مشکل رسالے کی تیاری ہوئی اور وہ بھی لیٹ۔ خاص طور پر اس بات کا افسوس ہے کہ "مطبوعات" کے صفحوں میں کتابوں پر رائے لکھنے کا کام نہیں ہو سکا۔ نیز خطوط کے جواب دینے کا کام بھی معرضِ التوا میں ہے۔ (ن۔ ص)

© rasailojaraid.com